بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم


# محدث دہلی

نگرانِ اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

| جلد ۱۰ | بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۲ء | نمبر ۷ |
|---|---|---|


# طلبہ کی اصلاح و تربیت کا موثر طریقہ

کہنے کو ہمارے عربی مدارس دینی تعلیم گاہیں ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ علمی حیثیت سے بہار (بھی) دین و اخلاق کا بہت کچھ فقدان ہے۔ جس کا ایک بہت بڑا سبب تو موجودہ غیر اسلامی ماحول ہے اور دوسرا خود اساتذہ کی عملی زندگی اور ان کا طرز تعلیم ہے۔ ہم ذیل میں علامہ محمد عبدہٗ مصری کے ایک مضمون کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو عرصہ ہوا ایک عربی رسالہ میں شائع ہوا تھا علامہ ممدوح نے اس میں مدارس کے اس نقص کو دور کرنے کی صورت بتائی ہے ــــ ہمیں امید ہے کہ اس موقع پر جبکہ مدارس دینیہ کے تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا ہے یہ مضمون دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائیگی۔ (مدیر)

"ظاہر ہے کہ مدارس اور مکاتب کے اجراء اور ان میں تعلیم دلانیکا مقصد یہی ہے کہ بچوں کے نفوس اور انکی عقلوں کی صحیح تربیت ہو تاکہ ایک طرف اگر وہ زندگی کی سعادتمندیوں سے بہرہ اندوز ہوں تو دوسری طرف آخرت کی کامیابیاں بھی انھیں حاصل رہیں۔ بچوں کی عقلوں کی تربیت سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے دماغ میں جو چند محدود اور ناقص معلومات ہیں ان میں وسعت اور کمال پیدا کرنا۔ اور جن چیزوں کے متعلق ان کے تصورات میں غلطی اور اعتقادات میں فساد ہو انھیں نکالکر، ان کی جگہ پر صحیح معلومات اور درست عقائد کا ایسا ملکہ پیدا کرنا، کہ پھر وہ خود ہی بھلے برے اور مفید و مضر میں امتیاز کر سکیں۔ ان کی عقلوں کو ایسا نور حاصل ہو جائے کہ وہ اپنی بصیرت سے پاکیزہ اور غیر پاکیزہ اشیاء میں فرق محسوس کر لیں۔ یہ تعلیمی زندگی کا پہلا رکن ہے۔

اور بچوں کے نفوس کی تربیت " سے میری مراد یہ ہے کہ ان کو ہر قسم کے کمینہ اخلاق سے نکالکر عمدہ عادات اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کیا جائے۔ ان کو ایسی باتوں کے پابند ہونے کا عادی بنایا جائے جو ہر شخص کے لئے اس کی اجتماعی زندگی میں ضروری ہیں ـــــ یہ دوسرا رکن ہے ـــــ ان دونوں میں سے کسی ایک رکن کے فوت ہو جانے سے تعلیم کا مقصد یا تو بالکل ہی فوت ہو جائیگا یا اگر حاصل ہو گا تو وہ نہایت ہی قلیل اور غیر مفید ہو گا۔ یا تنی واضح حقیقت ہے کہ اس پر کسی دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے وجدان سے سمجھ سکتا ہے۔

اور اگر یہ دونوں باتیں کسی شخص میں جمع ہو جائیں (یعنی اس کی عقل اور اس کے نفس کی صحیح تربیت ہو جائے) تو وہ ایک ایسا انسان ہو گا جو اپنے نفع و نقصان سے واقف ہو کر خود ہی منفعت بخش چیزوں کی طرف رغبت کریگا اور مضرات سے اپنے آپ کو دور رکھے گا۔ جب وہ دنیا اور آخرت کے کاموں میں سے کسی کام کے کرنے کی اپنے اندر قوت اور استعداد پائیگا تو اس میں دخل دینے کی کوشش کریگا۔ وہ اپنی خواہش اور پسند سے جس علم اور جس صنعت کو چاہیگا اختیار کریگا۔ اور پورے شوق و دلچسپی کے ساتھ اس میں ترقی کریگا۔ اس کو اس چیز کے چھوڑنے کا کبھی خیال بھی نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ہمیشہ اس کے سامنے وہ مقصد رہیگا جس کو سمجھ بوجھکر اس نے خود اپنی ذاتی خواہش سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص ضعیف العقل ہے، یا اس کے اخلاق خراب ہوں، خواہ وہ دنیا کے تمام علوم سے واقف ہو، تو یقیناً وہ خود تو بدنصیب ہے ہی، ساتھ ہی دوسروں کی بدنصیبی کا بھی سبب بنیگا۔ اور اس کے معلومات کی کثرت اس کے لئے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہو گی۔ بلکہ بعض حکماء کا خیال تو یہ ہے کہ کوئی علم درحقیقت حاصل ہی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ نفس صفات جمیلہ کے ساتھ متصف نہ ہو۔ انھیں صفات میں سے ایک بڑی صفت یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں ہر قسم کے کمال کی محبت اور عظمت ہو۔ اس لئے کہ یہی چیز طلب علم کا داعی اور اس میں ترقی حاصل کرنے کا حقیقی سرچشمہ ہے ـــــ اس میں شبہ نہیں کہ سب سے پہلی چیز جو عقل کو عمدہ معلومات اور نفس کو پاکیزہ اخلاق کے ساتھ آراستہ کرنے کی بنیاد قرار دی جا سکتی ہے وہ دین کی صحیح تعلیم ہے۔ صحیح تعلیم سے میری مراد یہ ہے کہ جو چیزیں خدا کی رضامندی کا سبب بن سکتی ہیں، ان کا شوق دلوں میں جاگزیں کر دیا جائے اور جن چیزوں سے اس کی ناراضگی کا خطرہ ہے ان کی ہیبت سے قلوب کو لرزا دیا جائے ـــــ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کہ بچوں کے صاف اور سادہ دلوں میں، اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس کے جلال کی عظمت، اس کے مقامِ اُلوہیت کی بلندی و رفعت کو بھر نہ دیا جائے۔ کہ اگر کسی موقع پر اللہ کا ذکر آجائے تو خوف سے ان کے دل دہل جائیں اور ہاتھ پاؤں کانپنے لگیں اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو یقیناً اس طرح طلبہ کے اندر ان فضائل کے تحصیل کی رغبت ہو گی جو رضاءِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اور ان رذائل سے نفرت ہو گی جو غضب الٰہی کا موجب ہیں۔ پس اصلاح و تربیت کا سب سے بہترین اور آسان طریقہ یہی ہے۔

(باقی مضمون صفحہ ۵ پر ملاحظہ ہو)